سیرتِ طیبہ

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ

سیرت کے معنی چال یا حالت کے ہیں، جیسے سورۃ طٰہٰ میں آیا ہے: ﴿سنعیدھا سیر تھا الاولیٰ﴾ (۱)
یہ حالت طبعی بھی ہو سکتی ہے اور اکتسابی بھی، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی، وہبی اور اکتسابی حالت بلا واسطہ اللہ پاک کی طرف سے انسانیت اور پوری بنی نوع انسان کے لئے احسانِ عظیم ہے اور یہ حالت یا حرکت کسی زمان ومکان کی پابند نہیں، کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے، جن میں سے بہت سے ایسے بھی تھے، جو اللہ پاک کو بہت پیارے تھے، نجی اللہ، صفی اللہ، خلیل اللہ، کلیم اللہ، روح اللہ وغیرہ، کتنے پیارے پیارے القاب ہیں، لیکن ان میں سے کتنے ہیں، جن کے حالات اور تاریخ کو اللہ پاک نے باقی رکھا ہے، نہ ان کے صحیفے اصل حالت میں باقی ہیں، نہ ان کے حالات مکمل طور پر ملتے ہیں اور نہ ان کے نام زندہ ہیں، سوائے ان چند ناموں کے، جو قرآن یا حدیث میں مذکور ہیں، اللہ پاک میں تو سب قدرت ہے، آخر اس نے ان سب کو کیوں محو کر دیا؟ شاید نہیں، بل کہ حقیقت میں صرف اس لئے ان سب کو محو کر دیا کہ صرف ایک ذاتِ گرامی یعنی محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ کے لئے زندہ رکھنا مقصود تھا، اس لئے صرف ان کی لائی ہوئی کتاب من وعن زندہ ہے، صرف ان کے اقوال و احادیث زندہ ہیں اور صرف ان کے حالات مفصل اور مکمل طور پر محفوظ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''جو بات میری خلوت میں دیکھو، جلوت میں بیان کرو اور جو بات چند لوگوں میں دیکھو، وہ پورے عالم میں پہنچا دو۔''

ایسی بے داغ ہستی پوری کائنات میں کوئی بھی نہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ آخری نبی ہیں، اس لئے آپ کی تعلیمات ہر طرح مکمل ہیں اور کافۃ للناس (۲) والی بشارت کے مطابق آپ کی ذاتِ گرامی پوری انسانیت کے لئے ''بشیر'' اور ''نذیر'' ہے، آج ہم اس محسن انسانیت کے ان احسانات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جو عام انسانوں کے لئے روا رکھے گئے ہیں، قرآن پاک میں ہے:

﴿یا ایها الناس ان خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند الله اتقکم﴾

(۳) ''اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنا دیئے، تاکہ تم کو پہچان ہو (ورنہ) تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے، جو سب سے زیادہ تقوے والا ہو۔''

''تقویٰ'' کے معنی اصل میں نقصان اور تکلیف سے بچنے اور احتیاط کرنے کے ہیں، اسی بات کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے جن باتوں سے منع کیا ہے، ان سے بچنا اور برے کاموں کی دردبھری سزا سے ڈرتے رہنا تقویٰ ہے، یعنی انسان کی شرافت کو ناپنے کا پیمانہ تقویٰ ہے اور جو شخص برائیوں سے جس قدر بچے گا، اتنا ہی وہ شریف ہوگا، اسی بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح فرماتے ہیں: کلکم آدم و آدم من تراب (۴)...... ''سارے انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔''

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''ایک آدمی کو دوسرے آدمی پر فوقیت فقط دین اور تقویٰ کے سبب سے ہے۔'' (۵)

اس سبق سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ اس زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کی اصل اور نسل ایک ہے، سب ایک آدم کی اولاد ہیں اور اس طرح یہ ساری انسانی دنیا ایک بڑی برادری ہے، اس میں کالے گورے کی کوئی تمیز نہیں اور نہ ہی رنگ و نسل کا کوئی امتیاز ہے، ہمارے آقا کو رحمۃ للعالمین کا لقب بخشا گیا، اس لئے کہ آپ سارے جہانوں پر ماں باپ سے زیادہ مہربان اور ساری خلقت پر شفقت کرنے والے تھے۔ آپ نے ایمان والوں سے فرمایا: ارحموا أهل الأرض یرحمکم من في السماء (۶)...... ''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''

ایک دوسرے موقع پر فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوسکتا، جب تک وہ عام انسانوں کے لئے وہی پسند نہ کرے، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: الخلق عیال الله...... ''ساری خلقت اللہ کا کنبہ ہے۔''

اس حدیث پر غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ ''اللہ کا کنبہ'' کتنا بلیغ فقرہ ہے اور اس میں سے محبت اور شفقت کا کیسا چشمہ ابل رہا ہے، عام انسانی زندگی میں کنبے کا سردار کتنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتا ہے، اس کو اپنے کنبے کے ہر چھوٹے بڑے سے محبت ہوتی ہے اور وہ سب کا فائدہ چاہتا ہے اور وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے تمام افراد میل محبت سے رہیں اور ایک دوسرے کے مددگار ہوں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس حدیث میں یہی پیغام دیتے ہیں کہ ہم ساری خلقت سے محبت کا برتاؤ کریں اور ان کے دکھ درد میں کام آئیں، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک مسافر نے جنگل میں کنویں کے پاس ایک کتے کو دیکھا، اس کا منہ خشک تھا اور وہ پیاس کے مارے تڑپ رہا تھا، مسافر کو اس کے حال پر ترس آیا اور اس نے اپنی پگڑی کو رسی بنا کر پانی نکالا اور کتے کو پلایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سن کر فرمایا: ''اللہ نے اس نیکی کے بدلے اس آدمی کے تمام گناہ معاف کردیئے۔'' یعنی ایک ناپاک جانور کے ساتھ بھلائی

کرنے سے اللہ پاک اتنا خوش ہوتا ہے تو انسان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر اس کی کتنی نوازش اور شفقت ہوگی۔

قرآن پاک میں انسانی جان کے احترام کے متعلق آیا ہے: ''جس نے کسی جان کو کسی قتل کے بغیر یا زمین پر فساد پھیلائے بغیر ہلاک کیا تو یہ سمجھو کہ اس نے سارے انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی آدمی کی جان بچائی تو یہ سمجھو کہ اس نے تمام انسانوں کو بچالیا۔'' (۷)

اس آیت سے یہ ظاہر ہے کہ ناحق قتل کتنا بڑا جرم ہے اور ''احترامِ آدمیت'' کا کتنا عظیم درجہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ سب کے لئے رحمت ہیں، دوست، دشمن، یہودی، عیسائی، کافر اور مشرک سب کے لئے ان کی شفقت اور رحمت عام تھی اور دشمنوں پر طاقت کے باوجود رحم وشفقت فرمانا ہمارے آقا کے اخلاق کا نمایاں وصف ہے، مکہ معظمہ میں تیرہ سال تک دشمنوں نے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اور جان کے درپے ہوگئے، لیکن جب فتح مکہ کے وقت دس ہزار مجاہدین کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو عام اعلان کردیا: لاتثریب علیکم الیوم (۸)...... ''آج کے دن تم میں سے کسی سے کوئی مواخذہ نہیں۔''

یہ وہ وقت تھا، جس میں قریش کے تمام سردار سر جھکائے کھڑے تھے، ان میں وہ بھی تھے، جو اسلام کو مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی تھے، جنہوں نے تین سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں کا پورا پورا بائیکاٹ کیا تھا اور شہر سے باہر پہاڑ کی ایک گھاٹی میں گھیر کر اناج اور غذائی چیزیں تک بند کردی تھیں، ان میں وہ بھی تھے، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکے تھے اور راستے میں کانٹے بچھائے تھے اور وہ بھی تھے، جنہوں نے اسلام قبول کرنے والے غریبوں اور بے کسوں کو رسیوں میں باندھ باندھ کر مارا تھا اور چلچلاتی دھوپ میں گرم ریت پر گھسیٹا تھا، وہ بھی تھے، جنہوں نے بے گناہ مسلمانوں کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا تھا، وہ بھی تھے، جن کی تلواروں نے خون برسایا تھا اور جن کے تیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر برسائے گئے تھے، یہ سب سر جھکائے ہوئے خاموش کھڑے تھے، میدان میں سناٹے کا عالم تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دس ہزار تلواریں انتظار کررہی تھیں کہ اشارہ ہو اور برس پڑیں، لیکن یکا یک یوں زبان کھلتی ہے کہ ''اے قریش! بتاؤ آج میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ جواب ملا، تم ہمارے شریف بھائی اور شریف بھتیجے ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ تم سے کوئی مواخذہ نہیں، تم سب آزاد ہو'' ۔ یہ ہے رواداری کا وہ نمونہ، جس کی مثال دنیا کی تاریخ پیش نہیں کرسکتی۔

ایک اور واقعہ اسی طرح ہے کہ مدینہ منورہ میں بعض ایسے منافق بھی تھے، جو چوری چھپے مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہتے تھے، ان کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا، جو اُحد کی جنگ کے وقت اپنا لشکر لے کر واپس آگیا تھا اور عین موقع پر اس نے مسلمانوں کو دھوکا دیا تھا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس کو معاف فرمادیتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ مرا تو اپنا کرتا اس کے کفن کے لئے عطا فرمایا، اسی طرح رواداری کے اعلیٰ نمونے دوسرے موقعوں پر بھی پیش کئے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ مشرکہ تھیں، وہ اپنی بیٹی کو دیکھنے کے لئے مکے سے مدینے آئیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم سے پوچھا کہ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، جب کہ انہوں نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی تھے، لیکن ان کی والدہ کافرہ تھیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بہت صدمہ ہوتا تھا، ایک دن انہوں نے خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر ذرا بھی ملال نہ آیا، فوراً ان کے حق میں دعا فرمائی، جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب گھر پہنچے تو اپنی ماں کو کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے پایا۔

انسانی برادری کا انتظام قائم کرنے کے لئے اسلام نے عدل اور مساوات کا قانون بنایا ہے، یہ دونوں چیزیں اسلام کی بڑی خصوصیت ہیں، قرآن پاک میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم دنیا میں عدل وانصاف کے علم بردار بنو، تا کہ تم کو دیکھ کر غیر قومیں انصاف سیکھیں، اس بناء پر اسلام کی نظر میں حاکم اور رعایا، امیر اور غریب سب برابر ہیں اور سب اللہ ہی کی پیدا کردہ جانیں ہیں، اس عدل ومساوات کا عملی نمونہ دیکھنا ہو تو رحمۃ للعالمین کی حیاتِ طیبہ دیکھئے کہ وہ کبھی عام لوگوں کے ساتھ خندق کھودرہے ہیں، عوام کی مجلس میں فرشِ زمین پر برابر برابر بیٹھے ہیں اور باہر سے آنے والا اجنبی شخص نہیں پہچان سکتا کہ ان میں نبی کون ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شریف خاندان کی عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی، جس کے لئے اسلامی قانون میں ہاتھ کاٹنے کی سزا مقرر ہے، بڑے بڑے لوگ ایک صحابی اسامہ رضی اللہ عنہ کو سفارش کے لئے آمادہ کرتے ہیں، کیوں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے تھے، وہ خدمت میں حاضر ہو کر بڑے ادب سے سفارش کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو جمع کر کے فرماتے ہیں:

"لوگو! تم سے پہلے بہت سی قومیں اس سبب سے بھی تباہ ہوئی ہیں کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو لوگ اسے چھوڑ دیتے تھے، جب عوام میں سے کوئی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے تھے، خدا کی قسم، اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹ دیتا۔(۹)

اسلام کی تمدنی تعلیم کی بنیاد یہی عدل ومساوات ہے، جس کے بے شمار نمونے سلف صالحین کی زندگی میں ملتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے اس پہلو سے متعلق حالی نے کیا خوب کہا ہے:

خطار کار سے درگزر کرنے والا ۔۔۔ بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیرو زبر کرنے والا ۔۔۔ قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا ۔۔۔ اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

حوالہ جات

(۱) طٰہٰ:۱۲ (۲) سبا:۲۸ (۳) الحجرات:۱۳ (۴) ابن ہشام: ج۴، ص۲۳۱ (۵) ایضاً (۶) ابو داؤد: ج۴، ص۳۱۱، رقم ۴۸۴۱ (۷) المائدہ:۳۲ (۸) شبلی نعمانی، سیرت النبی: ج۱ ص۳۰۰ (۹) بخاری: ج۳، ص۱۲۸۲، رقم ۳۲۸۸......☆......☆